دورہ مشرق بعید اور الہام:
’’جے تو میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو‘‘ کی تشریح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء بمقام مسجد احمدیہ سنگاپور)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

یہ سفر جو میں نے اختیار کیا ہے یہ کئی لحاظ سے بڑی اہمیت بھی رکھتا ہے اور جماعت کی تاریخ میں کئی لحاظ سے ایک نمایاں مقام بھی رکھتا ہے۔

اس کی ایک نمایاں خصوصیت تو یہ ہے کہ ایک نئے براعظم میں جماعت کی طرف سے با قاعدہ مسجد اور مشن ہاوس کا سنگ بنیاد رکھا جانے والا ہے۔ اگر چہ اس براعظم میں پہلے سے رضا کارانہ طور پر تبلیغ اسلام کا کام ۱۹۱۳ء سے شروع ہے لیکن با قاعدہ مشنری کے ذریعہ اور با قاعدہ مشن کی بنیاد رکھ کر پہلے کام نہیں ہوا۔

دوسرے یہ کہ اس دورے کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ جماعتی لحاظ سے اس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی خلیفہ کو مشرق کے دورے کی توفیق نہیں ملی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے بحیثیت خلیفہ کسی نے مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کا دورہ بھی نہیں کیا۔ مجھ سے پہلے جو خلیفہ تھے یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ وہ خلافت سے قبل مشرقی پاکستان تشریف لے جاتے رہے اور میں بھی اس حیثیت سے مشرقی پاکستان میں گیا کہ جماعت کے وفد کے

ایک ممبر کے طور پر بارہا وہاں جانے کا موقع ملا لیکن بحیثیت خلیفۃ المسیح میں سمجھتا ہوں کہ اس سے پہلے نہ کوئی مشرقی پاکستان اور نہ سیلون بلکہ اس رخ پر بھی کوئی دورہ کسی خلیفہ کا نہیں ہوا اس لئے مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر مشرق کے لئے اسلام کی نئی ترقیات کا دروازہ کھولنے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس پہلو سے حضرت رسول اکرم ﷺ کی پیشگوئی ایک اور رنگ میں بھی پوری ہو رہی ہے کہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا کیونکہ مشرق بعید کی جتنی قومیں ہیں ان پر مغرب کا سورج بذریعہ احمدیت طلوع کرنے والا ہے لیکن اس دورے میں ایک کمی محسوس ہو رہی ہے اور وہ ہمارا انڈونیشیا نہ جا سکنا ہے کیونکہ اس سے پہلے جب بھی خلفاء کی مشرق یا مشرق بعید آنے کی باتیں ہوئیں ہمیشہ سب سے نمایاں اور سب سے اہم ملک جو سامنے آتا رہا وہ انڈونیشیا ہی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بعض احمدیوں کو ایسی رؤیا دکھائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انڈونیشیا نہ جا سکنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ پہلے سے ہی تقدیر الٰہی میں مقدر تھا لیکن اس کے بدنتائج نہیں نکلیں گے بلکہ ان خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل میں بھی برکت ڈالے گا اور انڈونیشیا کے لئے بھی ترقی کے بہت سے سامان پیدا فرمائے گا۔

جب ہم نے انڈونیشیا کے دورہ کے متعلق سوچنا شروع کیا تو آغاز میں اس معاملہ کو جماعت پر روشن نہیں کیا گیا بلکہ تحریک جدید کے وہ چند عہدیدار جن کا اس دورے کے انتظامات سے تعلق تھا صرف ان کو ہی بتایا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے دو مختلف آدمیوں کو جن (کو) اس دورے کا کوئی بھی علم نہیں تھا بذریعہ خواب اس دورہ کے متعلق اطلاع دی۔ ان میں سے ایک دوست ہمارے خاندان سے ہی تعلق رکھتے ہیں ان کا بڑے تعجب کے اظہار پر مشتمل پر ایک خط مجھے ملا اور انہوں نے یہ پوچھا کہ میں نے ایک ایسی خواب دیکھی ہے جس سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں آپ انڈونیشیا جانے کا پروگرام تو نہیں بنا رہے۔ ان کی خواب یہ تھی کہ میں انڈونیشیا سے باہر لیکن قریب ہی کسی جگہ بیٹھا ہوا ہوں اور انڈونیشیا میں تبلیغ اسلام کی سکیم بنا رہا ہوں اور انہوں نے جو تبلیغی سکیم بناتے ہوئے دیکھا، مجھے تو وہ جانتے تھے باقی دوستوں کو انہوں نے نہیں پہچانا کہ وہ کون ہیں لیکن ایک ایسا کمرا ہے جس میں میرے سوا اور بھی چند لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم بڑے انہماک کے ساتھ انڈونیشیا کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے لئے بڑے پیمانے پر فتح کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

یہ خواب حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی کیونکہ ان کے اس خط کے ملنے سے پہلے ہی ہمیں یہ اطلاع مل گئی تھی کہ ہمیں انڈونیشیا جانے کی اجازت نہیں ہوگی اور یہ فیصلہ بھی کیا جا چکا تھا کہ انشاء اللہ سنگاپور میں انڈونیشیا کے دوستوں کو بلا کر وہاں ان سے مشورہ کر کے آئندہ کے پروگرام بنائیں گے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں انڈونیشیا کو بھی جہاں تک اس دورے کے فوائد کا تعلق ہے شامل فرما لیا گیا ہے۔ بالکل اسی مضمون کی خواب اللہ تعالیٰ نے ایک اور ایسے شخص کو دکھائی جس کا ہمارے خاندان سے تو کوئی تعلق نہیں اور ویسے بھی جماعت میں وہ کوئی معروف آدمی نہیں ہیں، ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں ان کا وہم بھی نہیں جا سکتا تھا انڈونیشیا کی طرف اور اس طرف کہ انڈونیشیا جانے کا پروگرام ہو اور وہاں جانے کی توفیق نہ ملے۔

بہرحال اس دورے کی اہمیت کے پیش نظر میں چند امور آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ یہ وہ علاقے ہیں جو بعض پہلوؤں سے بہت ہی بدقسمت ہیں کیونکہ اسلام کو اگرچہ ایک زمانہ میں یہاں نفوذ کی توفیق ملی لیکن کئی سو سال سے یہ تاریخ بن رہی ہے کہ بدھسٹ عیسائیت تو قبول کر رہے ہیں لیکن اسلام کی طرف مائل نہیں ہو رہے۔ اسی طرح کنفیوشس کے ماننے والے اور تاؤ ازم کے مقلدین کو بھی اگرچہ عیسائیت کی طرف توجہ ہو رہی ہے لیکن انہوں نے ابھی تک اسلام کی طرف وسیع پیمانے پر توجہ نہیں شروع کی۔ گزشتہ چند سالوں سے اس طرز عمل میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے لیکن وہ بھی بعض پہلوؤں کے لحاظ سے اتنی خوشکن نہیں جتنی کہ وہ اپنے اندر بعض خطرناک پہلو رکھتی ہے اور یہ دونوں تاریخی عمل یعنی سب سے پہلے ان قوموں کا عیسائیت کی طرف مائل ہونا اور گزشتہ چند سال سے اسلام میں دلچسپی لینا بنیادی طور پر ایک ہی نفسیاتی توجہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔ وہ وجہ یہ ہے کہ عیسائیت میں بھی ان کی دلچسپی دراصل مادہ پرستی میں دلچسپی کا نتیجہ تھی اور عیسائیت کو چونکہ انہوں نے ایک وسیع طاقتور قوم کے طور پر دیکھا جس سے ان کے مالی اور سیاسی مقاصد وابستہ ہو سکتے تھے اور فوائد پہنچ سکتے تھے اس لئے حقیقت میں انہوں نے کسی مذہب کو قبول نہیں کیا بلکہ ایک متمول سیاسی قوم کے اثر کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ یہی دنیاداری کا رجحان اب ان کو اسلام میں دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے کیونکہ تیل کی دولت نے سب دنیا کی توجہ مشرق وسطیٰ کی طرف کھینچی ہے اور اس سے استفادہ کرنے کے لئے بعض ایسی قومیں توجہ کر رہی ہیں جو دراصل مادیت میں دلچسپی رکھتی ہیں کیونکہ ان کے سابقہ مذاہب نے بھی

انہیں خدا کا کوئی واضح تصور عطا نہیں کیا۔ چنانچہ چند سال قبل جاپان کی مسلم ایسوسی ایشن کے بعض عہدیداروں سے میری ملاقات ہوئی تو دوران گفتگو یہ بات کھل کر میرے سامنے آئی کہ ان کو اسلام سے زیادہ ان علاقوں میں دلچسپی ہے جہاں مسلمان قابض ہیں اور تیل دریافت ہو چکا ہے چنانچہ ان لوگوں نے محض نام تبدیل کئے اور اسلام کو گہرائی سے سمجھے بغیر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

جس خطرہ کی میں نے نشاندہی کی تھی کہ اس میں فوائد سے زیادہ خطرہ نظر آتا ہے وہ خطرہ یہ ہے کہ چونکہ وہ اسلام کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے اس لئے مسلمان کہلانے کے باوجود مذہب اسلام کو نقصان پہنچانے کا موجب بن سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے دو ثبوت مجھے ان جاپانی مسلمانوں سے گفتگو کے دوران یہ ملے کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ اسلام میں جو شراب حرام ہے وہ جاپان کے حالات کی رو سے حرام نہیں ہے اس لئے ہماری مسلم ایسوسی ایشن نے باقاعدہ فتویٰ شائع کر دیا ہے کہ جاپان میں مسلمانوں کے لئے شراب پینا جائز ہے کیونکہ جن حالات میں منع ہے جاپانی قوم پر وہ اطلاق نہیں پاتے۔ اسی طرح سور کھانا بھی جاپان کے مسلمانوں کے لئے جائز ہے کیونکہ یہ بہت صاف ستھرا جانور ہے اسے اچھی طرح حفاظت سے پال کر ذبح کیا جاتا ہے۔ تو جاپانی حالات میں شراب بھی حلال ہوگئی اور سور کا گوشت بھی حلال ہو گیا اسی طرح دیگر اسلامی احکامات میں بھی ان لوگوں کا دخل دینا بعید از قیاس نہیں ہے بلکہ جہاں تک عبادات کا تعلق ہے عملاً وہ یہی سمجھتے ہیں کہ کبھی شوقیہ کوئی نماز پڑھ لی جائے تو یہی بہت کافی ہے اور جہاں تک روزوں کا تعلق ہے بعض ایسے مسلمانوں سے جب میں نے پتہ کیا تو انہوں نے کہا ہم ایک آدھ روزہ رکھ لیتے ہیں اس سے زیادہ روزہ اس زمانہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ تو گویا ایسا اسلام قبول کیا جا رہا ہے جو ان کے نزدیک نہ صرف مختلف قوموں کے لئے مختلف شکلیں اختیار کر جاتا ہے بلکہ مختلف زمانوں سے الگ الگ سلوک کرتا ہے۔

پس اگر چہ عیسائیت کو قبول کرنے اور اسلام کو قبول کرنے کی بنیادی وجہ بظاہر ایک ہی نظر آتی ہے لیکن عیسائیت کو کوئی خطرہ نہیں اور اسلام کو خطرہ ہے۔ عیسائیت کو اس لئے خطرہ نہیں کہ عیسائیت تو پہلے ہی جتنا بگڑ سکتی تھی بگڑ چکی ہے۔ اس میں اگر کوئی تبدیلی کی جائے تو ہوسکتا ہے اصلاح ہو جائے اس میں مزید بگاڑ کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ چنانچہ گزشتہ ایک صدی نے یہی حقیقت ظاہر کی ہے کہ عیسائیت میں فی زمانہ ہونے والی تبدیلیوں نے عیسائیت کے چہرے مہرے کو پہلے سے بہتر کیا

ہے بگاڑا نہیں۔ مثلاً طلاق کا مضمون ہے، آج سے چند سو سال پہلے تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عیسائی دنیا طلاق کی اجازت دے گی، اسی طرح اگر عورت کی صحت اجازت نہ دے تو اسلام اس بات سے منع نہیں کرتا کہ بچے کو ضائع کر دیا جائے کیونکہ جو زندگی ماں کی ہے وہ بچے کے مقابل پر زیادہ عزیز ہے لیکن عیسائی اس کے قائل نہیں تھے۔ گزشتہ ایک دو سو سال کے اندر اندر یہ نمایاں تبدیلی بھی ہمیں نظر آ رہی ہے کہ اب عیسائی دنیا اس کو جائز سمجھنے لگی ہے۔ سوائے ایک دو ملکوں کے باقی سب عیسائی فرقے اور مختلف ملکوں کے عیسائی اس کو جائز قرار دینے لگے ہیں۔

پس ایک بیمار اور نیم جان اور نیم مردہ مذہب میں اگر کوئی تبدیلیاں کی جائیں تو اس کو فائدہ ہی بخشتی ہیں اس کی مزید موت کا کوئی خطرہ نہیں بنتیں لیکن ایک زندہ مذہب اس بات کا متحمل نہیں ہوتا کہ اس میں تبدیلیاں کی جائیں۔ پس عیسائیت کو نہ صرف کوئی خطرہ نہیں بلکہ فوائد بھی حاصل ہوئے کیونکہ ان کے مقصد دنیاوی تھے۔ اس وقت عیسائی دنیا جہاں جہاں بھی تبلیغ کر رہی ہے اس کے پیچھے مغرب کے سیاسی اثر کو وسیع کرنا اور بڑی طاقت اور مضبوطی کے ساتھ وہاں مغربی تہذیب کے قدم جمانا یہ دو بنیادی مقاصد کار فرما ہیں اور یہ دونوں مقاصد ان کو عیسائیت کی قربانی دیئے بغیر حاصل ہو جاتے ہیں لیکن اسلام کو تو کسی سیاسی عروج میں دلچسپی نہیں۔ یہ تو انسان کی روحانی زندگی میں دلچسپی رکھتا ہے اور بندہ کے خدا سے تعلق میں دلچسپی رکھتا ہے اس لئے ایسی قوموں میں اسلام کا نفوذ جو اسلام کو بگاڑنے لگ جائیں اور ان کے لئے نگرانی کا کوئی انتظام نہ ہو سکے یہ محض نقصان کا سودا ہے اس سے اسلام کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پس ہمیں تو اسلام سے سچی محبت اور پیار ہے ہم کہیں بھی اس صورت میں اسلام کا آنا پسند نہیں کرتے کہ اس کا ہاتھ نعوذ باللہ طاغوتی طاقتوں نے پکڑا ہوا اور بعض غیر اسلامی قدریں لے کر وہ کسی ملک میں داخل ہو۔

پس اس پہلو سے احمدیت کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ نام کے اسلام سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہمیں تو حقیقت اسلام میں دلچسپی ہے اور نہ صرف یہ کہ نئی قوموں کو ہم نے سچا اسلام دینا ہے بلکہ ان لوگوں کو جو اسلام کا غلط تصور لے رہے ہیں یا اسلام میں بگاڑ پیدا کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور کوئی ان کے ہاتھ روک نہیں رہا ان کی اصلاح کرنا بھی اب جماعت احمدیہ کی ذمہ داری ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے مقابل پر جو ہمیں ظاہری توفیق حاصل

ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ اور اگر محض دنیوی نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو ہرگز جماعت کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اس عظیم الشان کام کو سرانجام دے سکے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی آسان طریق ناممکن کاموں کو ممکن بنانے کا مقرر فرما رکھا ہے۔ وہ بہت ہی آسان اور بہت ہی پیارا اور بہت ہی دلنواز طریق ہے جس میں کوئی مشکل اور مشقت نہیں بلکہ لطف ہی لطف ہے۔

پرسوں کراچی میں ایک غیر از جماعت دوست کے سوال کے جواب میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پنجابی الہام بیان کیا۔ اس الہام میں یہ بات بیان کی گئی ہے جو میں آپ کے سامنے کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ الہام شعر کے ایک مصرعہ میں ہے:

ع جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

(تذکرۃ صفحہ: ۳۹۰)

پس دنیا کو اپنا بنانے کے لئے دو رستے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ براہ راست دنیا کے پیچھے پڑا جائے اور دنیا کو اپنا بنایا جائے۔ یہ بہت ہی مشکل اور وسیع کام ہے اور ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے ناممکن ہے کہ ساری دنیا کے پیچھے پڑ کر اسے اپنا بنا سکے۔ اس کا سب سے آسان طریق یہ ہے کہ دنیا کے مالک کو اپنا بنا لیا جائے جو ایک ہی ہے اور اس سے تعلق جوڑنا ہر بندہ کے بس میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اتنی بڑی ذمہ داری سونپی کہ آج کے زمانہ کی دنیا کو خدا کے نام پر آنحضرت ﷺ کی غلامی میں اکٹھا کیا جائے تو بظاہر یہ کام ناممکن تھا لیکن ایک چھوٹے سے مصرعہ میں اس کا حل بھی بیان فرما دیا کہ اس طریق پر یہ کام کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی احمدی موجود ہیں خواہ وہ احمدی انڈونیشیا کا ہو یا سنگاپور کا، برما کا ہو یا ملائشیا کا، جاپان کا ہو یا چین کا، ان میں سے ہر احمدی اللہ تعالیٰ کا ہونے کی کوشش کرے کیونکہ جب تک وہ خدا کا نہیں ہوتا اس کی خاطر جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے دنیا کو اسلام کی طرف لانے کی اس میں استطاعت نہیں ہوگی۔ یہ اتنا عظیم الشان الہام ہے اور اس کی اتنی گہرائی ہے اور ایسی عظیم الشان حکمت اور فوائد کی باتیں اس میں بیان کر دی گئی ہیں کہ انسان اس پر جتنا غور کرتا چلا جائے اتنا ہی زیادہ طبیعت لطف اٹھاتی چلی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور روح جھکتی چلی جاتی ہے۔ اس میں عمل سے نہیں روکا گیا، نہ اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ سب دنیا کو اپنی طرف کھینچ کر لاؤ بلکہ دنیا کو کھینچ کر لانا

مقصد رکھا گیا ہے، صرف طریق کار بتایا گیا ہے کہ اگر تم دنیا کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہو تو اس کے لئے پہلے خدا کی طرف جاؤ اس کے بغیر تمہیں دنیا نہیں ملے گی۔ یعنی اس الہام میں کسی ایسی صوفیانہ تعلیم کا ذکر نہیں ہے کہ دنیا سے قطع تعلق کر کے انسان صرف خدا کا ہو جائے اور بے عملی کی زندگی میں مبتلا ہو جائے اور سمجھے کہ اسی طرح میں نے سب کچھ حاصل کر لیا بلکہ مومن کے اس مقصد کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ ایک مجاہد کی زندگی اختیار کرتا ہے اور بالآخر اس نے ساری دنیا کو اسلام کے لئے فتح کرنا ہے اور یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس الہام میں صرف طریق کار بتایا گیا ہے کہ خدا کی طرف گئے بغیر، خدا کو اپنا بنائے بغیر اگر تم دنیا کے پیچھے بھاگتے رہو گے تو کبھی بھی دنیا تمہاری نہیں ہوگی ہاں یہ خطرہ ہے کہ تم نہ صرف یہ کہ خدا کے نہ رہو بلکہ دنیا کے بن کر رہ جاؤ۔ پس اس الہام میں دراصل قرآن کریم کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا عظیم الشان کردار بیان فرمایا گیا اور آپؐ کا طریق تبلیغ واضح کیا گیا ہے۔ یعنی آپؐ جو مجاہد بنے اور تمام دنیا کو خدا کی طرف لانے کے لئے آپؐ نے ایک مہم شروع کی تو آپؐ نے پہلے کیا کیا تھا۔ وہ آیت یہ ہے دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۹﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۱۰﴾ (النجم: ۱۰،۹) اور اسی مضمون کو خدا تعالیٰ نے ایک اور جگہ بھی کھول کر بیان کیا ہے لیکن پہلے میں اس حصہ کے متعلق بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دَنَا اپنے رب کے قریب ہوئے اور قریب ہو کر وہاں ٹھہرے نہیں رہے۔ دو باتیں ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کردار اور صفات حسنہ کی یہاں نمایاں طور پر بیان ہوئی ہیں۔ اول خدا سے پیار کا راستہ پہلے اختیار کیا ہے اور خدا کے قریب ہوئے بغیر دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہوئے پھر جب خدا کو پالیا تو خود غرضی نہیں دکھائی، یہ نہیں سوچا کہ میرا مقصد پورا ہو گیا اب دنیا جائے جہنم میں جو بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے ہوتا پھرے میں نے تو اپنے رب کو پالیا بلکہ معاً اپنے بھائیوں کی طرف توجہ ہوئی فَتَدَلّٰى پھر ان کی طرف جھکے یہ بتانے کے لئے کہ میں نے کتنی عظیم الشان دولت پائی ہے تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ۔

اس مضمون کو مزید کھولتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ الضحیٰ میں بیان فرماتا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝﴿۸﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۹﴾ (الضحیٰ: ۹،۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ خدا کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ضَآلًّا کا مطلب

یہ نہیں ہے کہ گمراہ۔ ضَآلًّا کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی محبت اور تلاش میں اپنے وجود کو بھی کھو ڈالے یعنی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائے اور وہ جذبہ اس پر اس قدر غالب آجائے کہ اور کسی چیز کی اسے ہوش نہ رہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو نے ہمیں تلاش کیا، تو ہماری محبت میں سرگرداں تھا جب ہم نے تیرا مقصد تجھے عطا کر دیا، ہم تجھے مل گئے، تجھے اپنی طرف ہدایت دے دی تو ہم نے دیکھا کہ تو تو بڑا اعیال دار ہے تو نے سوال کو پھیلا دیا ہے سارے بنی نوع انسان کے لئے اور کہا اے خدا! میں اکیلا تو نہیں ہوں، نہ میں اکیلے لے کر راضی ہوں گا، میں تو سب دنیا کا ہوں اور بہت بڑا اعیال دار ہوں، ساری کائنات کے لئے مانگنے آیا ہوں۔ پھر خدا نے آپ سے عجیب سلوک فرمایا۔ خدا نے آپ کو کہا کہ اے محمد! تو تو ایک بندہ ہے بندہ ہو کر تیرا دل اتنا وسیع ہے کہ اپنے سارے بھائیوں کو، سارے زمانہ کے انسانوں کو اس نعمت میں شریک کرنا چاہتا ہے جو میں نے تجھے عطا کی تو میں خالق اور مالک ہو کر تجھ سے پیچھے کیسے رہ سکتا ہوں۔ فَاَغْنٰی پھر خدا نے ایسا غنی کر دیا کہ کسی دوسری تعلیم کا محتاج نہیں رہنے دیا، کسی دوسری نعمت کا محتاج نہیں رہنے دیا، اور کہا کہ ہم تجھے کوثر عطا کرتے ہیں ایسے خزانے دیں گے جو بنی نوع انسان میں قیامت تک بانٹتے چلے جاؤ گے تب بھی ختم نہیں ہوں گے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی دنیا کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نکالے گئے ہو، تم بھی بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بلانے کے لئے نکالے گئے ہو، لیکن پہلے خدا کے بنو گے تو پھر دنیا تمہاری ہوگی کیونکہ خدا کے بنے بغیر تم تہی دست کے تہی دست رہو گے۔ دنیا یوں ہی تو کسی کی طرف توجہ نہیں کیا کرتی۔ اب میں نے مثال دی تھی دنیوی قوموں نے ان لوگوں کو کچھ دیا ہے، ان کے پاس دولتیں ہیں، ان کے پاس مادی طاقتیں ہیں، اس کی خاطر دنیا ان کی طرف آئی۔ تو خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ جانتے تھے اس مضمون کو، آپ کو پتہ تھا کہ جب تک میرے پاس دولت نہیں ہوگی میں کیسے دنیا کو بلاؤں گا۔ وہ دولت اپنے رب سے حاصل کی اور جب خدا نے آپ کو اتنا غنی کر دیا، اتنا غنی کر دیا کہ اپنے زمانے کے انسان ہی نہیں بلکہ سارے زمانہ کے انسانوں کو دیتے چلے جائیں اور وہ دولت ختم نہ ہو تب پھر وہ دنیا کو بلانے کے لئے نکلے۔ پس آپ کا مقابلہ بھی دنیا کی بہت بڑی بڑی قوموں کے ساتھ ہے اور وہ ساری قومیں کچھ نہ کچھ حرص اور کچھ نہ کچھ لالچ دے کر دنیا کو اپنی طرف بلا رہی ہیں اور وہ مادی دولتیں

ہیں جو وہ عطا کرتی ہیں۔ اس کے مقابل پر صرف ایک ہی چیز ہے جس میں آپ کو برتری حاصل ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ حقیقتاً خدا کے ہو جائیں اور خدا سب کچھ آپ کا بنا دے پھر دنیا کی کوئی قوم بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور یہ جو غنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کا آغاز صرف مذہبی دولت سے ہوتا ہے، خدا کو پالینا مقصود ہوتا ہے اور خدا کو پالینے والے بندے بڑی جرأت اور طاقت کے ساتھ اور بڑی قوت کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم خدا کے بندے ہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے اس لئے جس کو دین چاہئے وہ بھی ادھر آئے اور جس کو دنیا چاہئے اس کو بھی ادھر آئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ہم خدا کے نمائندہ بن چکے ہیں۔ لیکن اس اعلان کے باوجود کہ اب خدا بھی یہیں ملے گا اور خدا کی بنائی ہوئی طاقتیں بھی، غرض ہر چیز یہیں حاصل ہوگی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس رستے میں ایک آزمائش کا نظام مقرر فرما دیا تاکہ جو خدا کے فضلوں کو لینے والے ہوں وہ تو داخل ہو سکیں اور جو محض دنیا کی لالچ میں آنا چاہیں ان کے لئے روک بن جائے۔ چنانچہ شرط یہ رکھی کہ پہلے اللہ کا فضل حاصل کرو دنیا بعد میں آئے گی اور اللہ کو پانے کی شرط یہ ہے کہ جو دنیا تمہیں حاصل ہے وہ بھی خدا کی خاطر لٹا دو پھر خدا ملے گا، اس کے بغیر سودا نہیں ہو سکتا۔ جب یہ اعلان ہو رہا ہو کہ جو ہاتھ میں ہے وہ دے دو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں بعد میں بہت کچھ دیا جائے گا تو صرف وہی آدمی داخل ہو سکتا ہے جس کو کامل یقین ہو کہ وعدہ کرنے والا بھی موجود ہے اور عطا کرنے والا بھی موجود ہے ورنہ جس کو کسی غائب پر ایمان نہ ہو یا کسی ایسی ہستی پر ایمان نہ ہو جو آنکھوں سے نظر نہیں آ رہی وہ اس کے خیالی وعدے پر اپنے ہاتھ کی دنیا کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ ایسی دنیادار قوموں کے محاورے تو ان قوموں کے محاوروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو خدا پر اور غیب کی چیزوں پر ایمان لانے والی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ تو یہ اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ bird in hand is better than two in a bush. اور خدا والے یہ اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱) کہ اے دنیا والو! تم تو ایک پرندہ کا دو پرندوں کے ساتھ تبادلہ بھی قبول نہیں کر سکے اگر وہ وعدہ دور کا ہو لیکن ان لوگوں کا یہ حال ہے اور ان کا ایمان اتنا بلند ہو چکا ہے کہ یہ اپنی جان بھی پیش کر دیتے ہیں، یہ اموال بھی پیش کر دیتے ہیں اس جنت کے لئے جو دینے والے کی طرح خود غائب ہے اور اس سے آپ اندازہ کریں کہ ایسے لوگوں میں کتنی عظیم الشان

قوت عمل پیدا ہو جاتی ہے جو خدا کی رضا کی خاطر اپنی جان اور اپنے مال اس وجہ سے پیش کر دیتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو کچھ ملے گا۔ اس دنیا میں جو نعمتیں ان کے سامنے ہوتی ہیں اور جو فتوحات ان کے سامنے ہوتی ہیں ان کے لئے تو ان کی قوت عمل کی تو کوئی انتہا نہیں رہ سکی۔ نسبتاً کمزور ایمان والوں میں بھی غیر معمولی عمل کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے کہ دنیا دار آگے نہ آ جائیں اور واقعۃً اللہ پر ایمان رکھنے والے آگے آئیں اور ایک عظیم الشان زندہ قوم پیدا ہو، یہ شرط رکھ دی کہ جو کچھ ہم تم سے لیں گے وہ تو حاضر ہوگا وہ تمہیں نظر آ رہا ہوگا اور جو کچھ ہم تمہیں دیں گے وہ وعدوں پر ہوگا اور تمہیں نظر نہیں آ رہا ہوگا۔ پس ایسے رستے پر صرف وہی لوگ چل سکتے ہیں جن کو غیب پر کامل ایمان ہو اور اول اور آخر مقصد سو فیصد خدا تعالیٰ ہی ہو اور اس کی خاطر وہ اپنے ہاتھ آئی ہوئی زندگی کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ ایسے لوگوں کو جب خدا ملتا ہے تو پھر ان کو بعد کی جنت کا انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ خدا کے ساتھ ساتھ یہ دنیا بھی ان کو ملنی شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ویسے آزمائش کی خاطر ہم وعدے تو یہ کرتے ہیں کہ مرنے کے بہت دیر بعد ہم ان کو دیں گے لیکن جب ان کے دل کی صفائی دیکھتے ہیں، جب ان کو ہر قربانی پر آمادہ پاتے ہیں کہ خدا کی خاطر سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو پھر اس دنیا میں بھی وہ جنت عطا کر دیتے ہیں جس کے وعدے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرشتے نازل ہو کر ان کو یہ خبریں دیتے ہیں:

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۱ (حٰم السجدة:۳۱)

کہ جن جنتوں کے تم سے وعدے کئے گئے تھے کہ تمہاری موت کے بعد ملیں گی اللہ اس موت کا انتظار نہیں کرے گا۔ وہ اسی دنیا میں وہ جنتیں تمہیں دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ پس اس دنیا میں جو جنت عطا ہوتی ہے وہ دراصل تسکین قلب کی صورت میں ملتی ہے۔ وہ ایک لذت ہے خدا کو پا لینے کی اور وہی لذت دراصل جنت ہے لیکن اس کے علاوہ وہ جنت دنیا میں ان کو عطا کی جاتی ہے یہ بھی ایک تقدیر الٰہی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ پھر آگے جا کر دو قسم کے سلوک کرتے ہیں۔ جہاں تک خدا کو پانے کی جنت ہے اسی پہ راضی ہو جاتے ہیں اور جو دنیا ان کو عطا ہوتی ہے اس میں پھر یہ دلچسپی نہیں لیتے۔ اس کے لئے پھر مزید دنیا کو عطا کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور دنیا والوں کو بانٹنے لگ جاتے ہیں اور خود محض خدا

کے فضلوں پر راضی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم آغاز ہی میں اس مضمون کو اسی ترتیب سے بیان فرما رہا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:۴)

کہ یہ لوگ جو ہدایت پانے والے ہیں جو خدا کو پالیتے ہیں ان کی تین منازل ہیں۔ پہلی شرط جیسا کہ میں نے بیان کی تھی وہ یہ ہے کہ یہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب پر ایمان لائے بغیر ان کو حاضر میں کچھ عطا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ان کو دو جنتیں ملتی ہیں ایک عبادت کی جنت اور ایک رزق کی۔ عبادت کی جنت میں تو یہ منہمک رہتے ہیں اور رزق سے یہ سلوک کرتے ہیں کہ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو کچھ پاتے چلے جاتے ہیں وہ سب کا سب اپنے لئے ہی نہیں رکھ لیتے بلکہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا جاری سلسلہ ہوتا ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ ان کو عطا کرنے سے اپنا ہاتھ روکتا ہے نہ وہ اس خوف سے کہ یہ رزق ختم ہو جائے گا خدا کی راہ میں خرچ سے اپنا ہاتھ روکتے ہیں۔ پس یہ وہ نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں جو ہدایت پر قائم ہونے والوں کو عطا ہوتے ہیں اور اس زادراہ کو لے کر وہ دنیا کو جیتنے کے لئے نکلتے ہیں۔

پس اگر آپ نے مشرق کو خدا کے لئے جیتنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ پہلے آپ خود خدا کے بن جائیں۔ وہ لوگ جو خدا کے ہو جاتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ غیر معمولی طاقتیں عطا فرماتا ہے۔ وہ زیادہ علم نہ بھی رکھتے ہوں، زیادہ لمبے چوڑے دلائل پر قدرت نہ بھی رکھتے ہوں تب بھی ان کی چھوٹی سی بات میں اللہ تعالیٰ غیر معمولی اثر رکھ دیتا ہے پھر ان کو یہ شکوہ نہیں رہتا کہ ہم تو بہت تبلیغ کرتے ہیں ہماری بات کو کوئی سنتا نہیں۔ وہ تو تھوڑی بھی تبلیغ کریں تو لوگ سننے لگ جاتے ہیں، وہ بیج اتفاقاً بھی پھینک دیں تو اس بیج کو برکت ملتی ہے اور اس سے تناور درخت پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے تبلیغ کا وہ کامیاب رستہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو سکھایا اور جس پر چل کر انہوں نے ثابت کر دیا کہ اس رستہ کے سوا کامیابی کا اور کوئی رستہ نہیں ہے۔

پس مشرق بھی بآسانی جیتا جا سکتا ہے۔ خواہ کتنی بڑی مصیبتوں کے پہاڑ آپ کے سامنے ہوں، خواہ مقابل پر تعداد کے لحاظ سے اور قوت کے لحاظ سے کتنی ہی عظیم الشان قومیں نظر آتی ہوں گویا

ہمالہ کی چوٹیاں سامنے کھڑی ہیں، اگر آپ رفعتوں والے خدا سے تعلق جوڑ لیں جو ایسی رفعتیں رکھتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں تو ہمالہ کی چوٹیاں کیڑوں کے گھروندوں سے بھی زیادہ چھوٹی نظر آنے لگیں گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں بعض دفعہ ایسی ہی شوکت نظر آتی ہے جب یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا آپ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۳۱)

اس لئے آپ خدا کے شیر بنیں اور وہ طاقت حاصل کریں جس کے بعد دنیا کی طاقتوں کو اس بات کی توفیق نہیں مل سکتی کہ وہ آپ پر ہاتھ ڈال سکیں۔ آپ کسی بھی ملک کے باشندے ہوں آپ دیکھیں گے کہ آپ کو غیر معمولی طاقتیں عطا کرے گا اور یہ کہ آپ کے دشمنوں کا خدا دشمن بن جاتا ہے اور آپ کے دوستوں کا دوست بن جاتا ہے۔ موسیٰؑ میں تو طاقت نہیں تھی کہ وہ فرعون کا سر نیچا کرے لیکن موسیٰؑ کے خدا میں طاقت تھی اور اس نے اس شان کے ساتھ فرعون کے تکبر کو توڑا ہے کہ آج تک تاریخ میں وہ عبرت کا نشان بنا ہوا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ میں تو یہ طاقت نہیں تھی کہ کسریٰ کی حکومت کو پارہ پارہ کر دے۔ آپؐ کو تو کسریٰ اس قدر کمزور دیکھ رہا تھا اور اتنا بے حقیقت سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنے ایک معمولی گورنر کو یہ حکم دیا کہ ایک سپاہی بھیج کر اسے پکڑ کر بلواؤ اور اس کو ہلاک کر دو۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یمن کے گورنر کا وہ ایلچی جو کسریٰ کا نمائندہ تھا حاضر ہوا تو اکیلا تھا اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھے اور اس میں دراصل آنحضرت ﷺ کی حد سے زیادہ (نعوذ باللہ) تذلیل کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ہمیں تو تمہارے پاس کوئی ہتھیار بند سپاہی بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں پیغام ملے گا اور تمہیں لازماً حاضر ہونا پڑے گا۔ چنانچہ ایلچی نے آکر یہی پیغام دیا کہ ہمارے شہنشاہ عالم کسریٰ نے حکم دیا ہے ہمارے گورنر کو کہ تمہیں بلوائیں اس لئے میں پیغام دینے آیا ہوں کہ آپؐ ان کے دربار میں حاضر ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنے شہنشاہ کے حکم کے پابند ہو میں اپنے شہنشاہ کے حکم کا پابند ہوں اور جب تک میں اللہ سے پوچھ نہ لوں اس وقت تک میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ پس رات آپؐ نے خدا کے حضور دعا کی۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ دعا کیا تھی اور کیسی گریہ وزاری تھی لیکن صبح

محمد رسول ﷺ نے اس ایلچی کو جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ جاؤ اس گورنر کو بتا دو کہ آج رات میرے خدا نے تمہارے خدا کو قتل کر دیا ہے۔ پس وہ یہی جواب لے کر واپس پہنچا تو یمن میں کچھ عرصہ کے بعد وہاں شہنشاہ کسریٰ کی طرف سے سفیر آیا اور پرانے کسریٰ کا بیٹا اس وقت تک کسریٰ بن چکا تھا اور اس نے یہ پیغام بھیجا کہ ہم نے اپنے باپ کے مظالم اور گندگیوں کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا ہے اور اب ہم شہنشاہ بنائے گئے ہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۲۶۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۶)۔ پس جب خدا کسی کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس میں عبرت کا یہ پہلو ہوتا ہے کہ اس ہلاکت میں ایک غیر معمولی ذلت بھی پائی جاتی ہے۔

اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو بھی اپنی نصرت اور اپنے پیار کے غیر معمولی نشان دکھائے ہیں اس لئے آپ کے لئے اس غیب پر ایمان لانا کوئی مشکل نہیں جو بارہا آپ کے لئے حاضر بن چکا ہے۔ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنے دل کو اپنے رب کے لئے صاف کریں، اسے اپنے دل میں حاضر ہونے کے لئے درخواست کریں، دعوت دیں جس طرح ایک بڑے آدمی کو دعوت دی جاتی ہے لیکن یہ ایک ایسی بڑی ہستی ہے کہ جو اپنی عظمت کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ دل میں اترنے کے لئے تیار بیٹھی ہے اس لئے انسان کی کوئی عاجزی اس کا کوئی انکسار اس راہ میں حائل نہیں ہوسکتا کہ میں اس عظیم الشان ذات کو اپنے پاس آنے کی کیسے دعوت دوں جو میرے مقابل پر اتنی عظمت رکھتا ہے کہ کوئی نسبت ہی قائم نہیں ہوسکتی۔ اس بات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل کی عظمت دراصل دل کے حوصلے کی عظمت اور دل کی وسعت کی عظمت ہی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی اصل شان یہ ہے کہ وہ تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہونے کے باوجود اتنا وسیع حوصلہ رکھتا ہے کہ فرماتا ہے رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۵۷) کہ میری رحمت ہر دوسری چیز پر حاوی ہوگئی ہے۔ میری عظمتوں سے بالا ہے میری رحمت اور میری شفقت۔ پس آپ نے اس خدا کو بلانا ہے جس کا اعلان ہے رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ وہ تو آپ سے بڑھ کر آپ کے پاس آنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے خدا کو بلانے کا جو تجربہ کیا اس کو اپنے ان پیارے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ بندہ جب خدا کی طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو خدا تعالیٰ کئی قدم اس کی طرف بڑھ جاتا ہے اور جب انسان قدم

قدم اس کی طرف جاتا ہے تو وہ دوڑتا ہوا اس کی طرف بڑھتا ہے۔(بخاری کتاب التوحید باب قول الله و یحذرکم الله نفسه) پس دراصل یہ مضمون ہی وہی رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ والا مضمون ہے جس کی تفسیر آنحضرت ﷺ فرمارہے ہیں۔

پس اب اس سارے مضمون کو سمجھ لینے کے بعد کسی احمدی کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا کہ وہ تبلیغ سے باز رہے یا اپنے آپ کو کمزور سمجھے یا کم علم سمجھے۔شرط اول یہ ہے کہ وہ خدا کا ہو جائے۔ باقی ساری شرطیں خدا دیکھے گا کہ کس طرح پوری کرنی ہیں۔وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے اور ہم اپنے کام سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں اس لئے میں شدید فکر لے کر اس دورہ پر نکلا ہوں اور یہ دعا کرتے ہوئے نکلا ہوں کہ اے خدا! تو ہی اپنے فضل سے میرے الفاظ میں طاقت رکھ دے۔میں نے دعا کی **کہ اے خدا! تو میری آواز کو ہر احمدی کی آواز بنادے اور اے خدا! میرے دل کی ہر دھڑکن ہر احمدی کو عطا فرما اور ہر سینے میں اپنے دین کی خدمت کی ایک آگ لگا دے۔وہ ہر طرف سے اس روشنی کی طرف بلائے جو محمد رسول ﷺ کی روشنی ہے**۔اور جس طرح پروانے آگوں کو جلتا ہوا دیکھتے اور بے تحاشا اس طرف دوڑتے اور اڑتے ہوئے وہاں پہنچتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ جل جائیں گے اسی طرح دنیا محبت سے مجبور ہو کر بے اختیار اس روشنی کی طرف لپکے۔خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

ع جے تو میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

یہ خدا کا کلام ہے اور اگر آپ اس کو آزما کر دیکھیں گے تو یقیناً ہمیشہ اس کو سچا ہوتا دیکھیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۳ء)